مولانا محمد یسین مدظلہٗ
نائب مہتمم جامعہ قاسم العلوم ملتان۔

باتیں ان کی یاد رہیں گی!

۹ مئی ۱۹۵۸ء کو سابق صدر سکندر مرزا ملتان آئے۔ ان کی خواہش تھی کہ شاہ جی انہیں گیلانیوں کی دعوت پر ملیں۔ انہوں نے مظفر علی شمسی کو شاہ جی کی خدمت میں بھیجا۔ مظفر علی شمسی نے جب اپنی آمد کا مدعا بیان کیا تو شاہ جی نے کہا شمسی! میں تمہارے کہے پر عمل نہیں کر سکتا۔ اگر مرزا صاحب میرے جھونپڑے پر آجائیں تو وہ بھی بلند ہو جائیں گے۔ اور میں بھی۔ لوگ کہیں گے صدر مملکت ایک درویش کی کٹیا میں گیا۔ اگر میں انہیں ملنے جاؤں تو اپنی عمر بھر کی کمائی برباد کر بیٹھوں گا۔ پھر مجھے اُن سے کوئی کام نہیں، انہیں کام ہے تو خود آجائیں۔ شمسی صاحب اپنا سا منہ لے کر چلے گئے اور سکندر مرزا کی یہ خواہش پوری نہ ہو سکی۔

الاٹمنٹ

شاہ جی نے امرتسر میں دو مکان چھوڑے تھے۔ جب پاکستان آئے تو عقیدت مندوں نے اصرار کیا کہ متروکہ مکانوں کی الاٹمنٹ کے لئے درخواست دیں مگر شاہ جی نے کہا بھائی! عمر بھر میں نے مالک حقیقی کے سوا کسی کے سامنے فدوی بن کر درخواست نہیں گزاری اب کون سی ایسی ضرورت ہے اپنے مالک سے منہ موڑ لوں۔ چنانچہ آپ نے کرائے کے ایک تین کمروں کے مکان میں اپنی بقیہ عمر گزاری۔

آمدنی

آپ اپنا راشن کارڈ بھی بنوانے پر رضامند نہیں ہوتے تھے۔ آخر ایک روز آپ کے ایک عزیز ترین عقیدت مند سلیم اللہ خان راشن کارڈ کا فارم لے آئے۔ سلیم اللہ خان مرحوم نے جب آمدنی کی بابت پوچھا تو آپ نے مسکرا کر یوں کہا "کبھی دھن دھنا، کبھی مٹی بنا، کبھی یہ بھی منع" آپکا ذریعہ معاش فقط ذات باری پر توکل تھا۔ آپ نے کبھی کسی عقیدت مند کے سامنے دست سوال دراز نہیں کیا۔ ایک دفعہ ایک فقیر نے دروازے پر صدا دی۔ شاہ جی نماز کے بعد دعا مانگ رہے تھے۔ اپنے رب حقیقی سے مخاطب ہو کر کہا میں تیرا سائل ہوں اور یہ تیرے بندوں کا سائل ہے۔ جب کبھی آپ سے کوئی واقف ایسا سوال کر بیٹھتا تو آپ عربی کا قطعہ پڑھ دیتے۔

لا تسئلن بنی آدم حاجتہً
واسئل الذی ابوابہ، لا تغلق،
واللہ یغضب ان ترکت سؤالہٗ
وبنوا آدم حسین یسئل یغضبِ

ترجمہ: آدم کی اولاد سے کوئی حاجت نہ مانگ۔ اس سے مانگ جس کے دروازے کبھی بند نہیں ہوتے۔ اللہ اُس وقت ناراض ہوتا ہے جب اُس سے تو مانگنا چھوڑے۔ اور اولاد آدم اس وقت غصے ہوتی ہے جب اُس سے کوئی مانگے۔

جیل

یہ ان دنوں کی بات ہے جب آپ کو دیناج پور جیل بھیج دیا گیا۔ آپ کے ساتھ مولانا ابوالکلام آزاد اور جمعیت العلمائے ہند کے چند رہنما بھی تھے۔ جیل کے دروازے پر وارڈنے تلاشی لینی شروع کر دی۔ جیل میں سیاسی قیدیوں کے لئے روپے لے جانا سخت منع تھا۔ جن لیڈروں کے پاس رقم تھی انہوں نے واپس کر دی۔ شاہ جی کے پاس بھی ۲۶ روپے کی رقم تھی۔ انہیں جیل میں رقم کی اہمیت کا علم تھا۔ اس لئے ہر قیمت پر یہ روپے اندر لے جانا چاہتے تھے۔ ساتھیوں نے منع کیا مگر آپ باز نہ آئے۔ آخر تلاشی کرتے کرتے ان کی باری بھی آگئی۔ انہوں نے بڑے رومال کے پہلو میں روپے باندھ رکھے تھے وارڈر کے دیکھتے دیکھتے انہوں نے رومال اگلے قیدی کے کندھے پر ڈال دیا اور اپنے ہاتھ تلاشی دینے کے لئے بلند کر دیئے۔ اس طرح یہ ۶۲ روپے جیل میں پہنچ گئے۔ شاہ جی نے اس رقم سے سگریٹ خرید کر ان سیاسی قیدیوں میں تقسیم کر دیئے جو محض سگریٹ نہ ملنے کے باعث معافی مانگ کر رہا ہو جاتے۔

مولانا آزاد کی چائے

اسی جیل کا واقعہ ہے۔ ایک روز مولانا آزاد نے بڑے اہتمام سے چائے بنائی۔ اور شاہ جی کو پیش کی۔ شاہ جی نے چائے پی لی اور چپکے ہو رہے۔ مولانا آزاد اپنی چائے کی تعریف کرانے کے معاملے میں بڑے حریص واقع ہوئے تھے اور یہ تعریف ان کی بڑی کمزوری تھی۔ شاہ جی کو چپکا دیکھ کر انہوں نے خود کہا "میرے بھائی! چائے کیسی رہی؟ شاہ جی بولے کہ ایک چیز کی کمی تھی۔ مولانا آزاد کا ماتھا ٹھنکا اور چہرے پر شکنیں آگئیں۔ فرمانے لگے وہ کیا میرے بھائی؟ شاہ جی نے کہا اس میں زعفران نہیں ہے۔ مولانا نے اطمینان کا سانس لیا اور فرمایا ہاں میرے بھائی! پھر وعدہ کیا کہ اگلے روز مزعفر چائے پلائیں گے۔ دوسرے روز زعفران سے معطر چائے تیار تھی مگر عین اس وقت سپرنٹنڈنٹ دور سے آتا دکھائی دیا۔ مولانا بڑے گھبرائے کیونکہ جیل کے ضوابط کے مطابق دو طرح سے مجرم تھے ایک یہ کہ انہیں مولانا کے پاس آنے کی اجازت نہیں تھی وہ وارڈر کو جل دے کر ان تک پہنچے تھے۔ دوم یہ کہ چائے کا لطف اٹھایا جا رہا تھا۔ آخر مولانا اٹھے اور دور جا کر ان کا نہایت خندہ پیشانی سے استقبال کیا۔ سپرنٹنڈنٹ کے لئے یہ بہت بڑا اعزاز تھا۔ وہ پھولا نہ سمایا اور مولانا سے باتیں کرتا ہوا دوسری جانب چلا گیا۔ ادھر شاہ جی مزے سے چائے پیتے رہے۔

باخبر از مقام آدمی!

ایک دفعہ سید عبدالحمید عدم آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے آپ کافی دیر تک عدم کا کلام سنتے رہے اور دل کھول کر داد دیتے رہے۔ عدم کے جانے کے بعد ایک عقیدت مند نے کہا کہ "قبلہ یہ شاعر شراب پیتا ہے" آپ کے چہرے پر رنج سے شکنیں ابھر آئیں۔ اور کبیدہ خاطر ہوگئے۔ آپ نے کہا "تم نے اپنی آنکھوں سے انہیں شراب پیتے دیکھا"۔ وہ بولا ہاں اس پر آپ نے کہا کہ "درگزر اور چشم پوشی ربانی صفت ہے اس لئے تم بھی چشم پوشی سے کام لیا کرو"

محلے کے ایک شخص پر قتل کا الزام لگا۔ اس کا کردار بھی اچھا نہیں تھا۔ شاہ جی ہمیشہ اس سے شفقت سے پیش آیا کرتے تھے۔ آپ کہا کرتے تھے کہ "مجھے بزدل جھوٹے اور چور سے سخت نفرت ہے ان دو کے سوا میں نے کبھی کسی کی برائی نہیں چاہی۔ البتہ مرزائی اور انگریز اس زمرے میں نہیں آتے۔ ان دونوں کا میں نے برا چاہا بھی ہے اور برائی کی بھی ہے۔ بزدل کے بارے میں فرمایا کرتے تھے کہ بزدل کے ساتھ قبر بھی نہ بنے کم بخت جلے گا تو آنچ آئے گی"۔

ڈاکٹر تاثیر

ہم عصر شاعروں میں سے آپکو تاثیر سے خاص انس تھا۔ آپ ہمیشہ ان کی غیر ملکی بیوی کو بیٹی کہہ کر پکارا کرتے تھے۔ بیگم تاثیر آپ کا بڑا احترام کرتی تھیں۔ حتیٰ کہ آپ کو تعجب ہونے لگا۔ ایک دن اپنے اسی تعجب کا اظہار ڈاکٹر تاثیر سے کیا۔ تو تاثیر نے جواب دیا شاہ جی یہ جس ملک کی رہنے والی ہے وہاں بہو بیٹی کا سا مقام نہیں دیا جاتا۔ ۱۹۴۶ء میں کرپس مشن کی ہندوستان آمد کے موقع پر دہلی سیاسی سرگرمیوں کا مرکز بنا ہوا تھا۔ اُن دنوں شاہ جی بھی دہلی میں ہی مقیم تھے۔ ڈاکٹر تاثیر سرکاری ملازم تھے۔ شاہ جی کو اپنے گھر لے گئے دیر تک ملاقات رہی پھر اپنے ہاتھ سے شاہ جی کی ڈائری پر درج ذیل اشعار لکھے:

دل است بندۂ احرار و جاں اسیرِ فرنگ
نہ چارۂ ہمہ صلح نہ بہرۂ ہمہ جنگ
میان کعبہ و بت خانہ عرصہ یک گام
میاں شیخ و برہمن ہزارہا فرسنگ
نمود سر بسر اظہار و کوہ کن یک تن
ہزار پیکر شیریں فسردہ رارگِ سنگ

ایک جلسہ

مراد آباد میں سائمن کمیشن کی رپورٹ کے خلاف ایک جلسہ تھا۔ جس میں شاہ جی کے علاوہ پنڈت نہرو

کے والد موتی لال نہرو، سید محمود اور دیگر معزز لیڈر شامل تھے۔ سائمن کمیشن کی سفارشات ایک خاصل ٹیکنیکل مسئلہ تھا۔ شاہ جی کو آخر میں تقریر کرنی تھی۔ شاہ جی نے محسوس کیا کہ جو کچھ مجھے کہنا تھا یہ حضرات کہہ چکے ہیں۔ زندگی میں پہلی بار شاہ جی کو پریشانی کا احساس ہونے لگا کہ آخر وہ کھڑے ہو کر کیا کہیں گے۔ اب سوائے اس کے چارہ کار کیا تھا کہ وہ اپنی تقریر کو ان جملوں کے ساتھ ختم کر دیں "حاضرین اس موضوع پر میں جو کچھ کہنا چاہتا تھا وہ مجھ سے پہلے کہا جا چکا ہے۔ لہٰذا میں شکریے کے ساتھ اجازت چاہتا ہوں مگر یہ تو اظہار شکست تھا۔ آخر بادل نخواستہ شاہ جی مائیک کا سہارا لے کر اٹھے۔ جب کھڑے ہوئے تو دیکھا سامنے کچھ لوگ سائمن کا جنازہ لئے کھڑے ہیں۔ آپ کے منہ سے بے ساختہ غالب کا شعر نکل گیا

ہوئے مر کے تم جو رسوا ہوئے کیوں نہ غرق دریا
نہ کہیں جنازہ اٹھتا نہ کہیں مزار ہوتا

یہ شعر کہنا تھا کہ حاضرین پر جذب کی کیفیت طاری ہو گئی۔ کافی دیر تک آہ وفغاں کا شور بلند ہوتا رہا۔ یہ شعر لوگوں نے کئی بار سنا ہو گا مگر بخاری کی زبان میں کچھ اور رس تھا۔ یہ حالت دیکھ کر موتی لال نہرو پکار اٹھے۔ ارے ارے ارے! شاہ جی غضب کے آدمی ہو۔ کیا ہو گیا لوگوں کو۔

وہ ہوا کو روک کر اس سے روانی اور سمندر کو ٹھہرا کر اس سے طغیانی لیتے ہیں۔ شاہ جی وہ آگ ہیں جو دشمنوں کے نشیمن پھونکتی اور دوستوں کے چولہے جلاتی ہے۔

مہاتما گاندھی

شاہ صاحب، آپ ہندوستان کے دل کی آواز ہیں۔ کانگریس ستیہ گرہ کی کامیابی صرف آپ سے وابستہ ہے۔

موتی لال نہرو

ان کی وفات سے اردو خطابت کا تاج محل ڈھے گیا ہے اور زمانہ ایک ایسی شخصیت سے محروم ہو گیا ہے جس کا وجود اس برعظیم کیلئے ایک عظیم عطیہ تھا۔ تاریخ ان کے مقام کا ضرور فیصلہ کرے گی لیکن ہمارے دل ان کے مقام کا تعین کر چکے ہیں کہ ان کی رحلت سے آنکھیں اشک بار ہیں۔ نجانے اب ان سے کہاں ملاقات ہو گی۔

جواہر لال نہرو۔

وہ ان چند بے خوف شخصیتوں میں سے ہیں جن کے لئے میرا دل ہمیشہ بے پناہ احترام کے جذبات سے معمور رہا ہے

بھیم سین سچر

وہ تاریخ آزادی کے ایک بہادر، نڈر مجاہد بیباک اور حق گو شخصیت کے مالک ہیں

دیوان سنگھ مفتون